Journal of World Religions and Interfaith
ISSN: 2958-9932 (Print), 2958-9940 (Online)
Vol. 3, Issue 2, Fall (July-December) 2024, PP. 100-118
HEC:https://www.hec.gov.pk/english/services/faculty/journals/Documents/Merged%20policy%20and%20recognised%20list%202024.pdf
Journal homepage: https://journals.iub.edu.pk/index.php/jwrih
Issue: https://journals.iub.edu.pk/index.php/jwrih/issue/view/203
Link: https://journals.iub.edu.pk/index.php/jwrih/article/view/3020
DOI: https://journals.iub.edu.pk/index.php/jwrih/article/view/3020
Publisher: Department of World Religions and Interfaith Harmony, the Islamia University of Bahawalpur, Pakistan

---

Title The Role of Imam Shah Waliullah in the Revival and Promotion of Religious Studies in the Subcontinent

Author (s): **Abdul Majid**
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Govewrnment Graduate College, Burewala, Pakistan

Dr. Muhammad Saeed Akhtar
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, University of Lahore, Pakistan

Received on: 26 July, 2024
Accepted on: 10 December, 2024
Published on: 13 December, 2024

Citation: Abdul Majid, & Dr Muhammad Saeed Akhtar. (2024). The Role of Imam Shah Waliullah in the Revival and Promotion of Religious Studies in the Subcontinent. *Journal of World Religions and Interfaith Harmony*, *3*(2), 100–118. Retrieved from https://journals.iub.edu.pk/index.php/jwrih/article/view/3020

Publisher: The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan

Journal of World Religions and Interfaith Harmony by the Department of World Religions and Interfaith Harmony is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

برصغیر میں دینی علوم کے احیاء و فروغ میں امام شاہ ولی اللہؒ کا کردار

The Role of Imam Shah Waliullah in the Revival and Promotion of Religious Studies in the Subcontinent

Abdul Majid
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Government Graduate College, Burewala, Pakistan. Email: abmajid089@gmail.com
Dr. Muhammad Saeed Akhtar
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, University of Lahore, Pakistan. Email: saeed.akhtar@ais.uol.edu.pk

Abstract

The personality of Imam Shah Wali Allahullah needs no introduction.The scope of your religious and scholarly services and reformation efforts in the subcontinent is very wide.Your scholarly contributions and greatness are recognized in all religious circles.Your efforts are related to education and teaching, authorship and compilation, reform of beliefs and morals, civilization and society, revival of religion and reformation of the Ummah.Shah Sahib solved the intellectual problems of far-sightedness in the light of esoteric religion.Shah Sahib harmonized different idioms.In Hadith and Fiqh, some people misunderstood the contradiction that was seen, it was resolved.He also said that there is no reference in the Quran and Hadith.Rather, the Hadith is in fact an interpretation of the Qur'an.as well as the people of the law and the people of the way who were disobedient to one another.Removed him.You referred to the thought of the Way over the Shari'ah, and said that the clash of knowledge and cognition is merely the result of misunderstanding.You have solved this problem in the best possible way.

You devoted all your energies to the revival and development of religious knowledge. And for this purpose, Madrasah Rahimiyah was established.Through which you created a community of experts in religious sciences.He wrote rare books to solve the rational and intellectual problems faced by his literary services.It is a valuable source of Islamic literature.At the same time, you tried to awaken people from every walk of life in order to bring the Gathbandi and the Ummah out of decline.He played an active role in solving social and political problems.

Keywords: ShahWaliullah, Reformation farsightedness, Gathbandi, Harmonized, Decline.

تعارف موضوع

امام شاہ ولی اللہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ برصغیر میں آپ کی دینی اور علمی خدمات اور اصلاح امت کی کاوشوں کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ آپ کی علمی و ملی خدمات اور عظمت کو تمام مذہبی حلقوں میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ آپ کی ان کاوشوں کا تعلق تعلیم و تدریس، تصنیف و تالیف، عقائد و اخلاق کی اصلاح، تہذیب و معاشرت، احیائے دین اور اصلاح امت سے ہے۔ شاہ صاحب نے برصغیر میں سب سے پہلے قرآن حکیم کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ آپ نے برصغیر میں علم حدیث کی ترویج کے لیے داغ بیل ڈالی ۔ آپ نے دور جدید کے فکری مسائل کو علم اسرار دین کی روشنی میں حل کیا۔ شاہ صاحب نے مختلف فقہی مسالک میں مطابقت پیدا کی۔ حدیث و فقہ میں بعض لوگوں کو غلط فہمی سے جو تضاد نظر آتا تھا، اس کو سلجھایا۔ نیز آپ نے بتایا کہ قرآن و حدیث میں کوئی تعارض نہیں۔ بلکہ حدیث دراصل قرآن ہی سے مستنبط اور اس کی تشریح ہے۔ نیز اہل شریعت اور اہل طریقت میں جو ایک دوسرے سے بیزاری تھی۔ اس کو دور کیا۔ آپ نے طریقت کے افکار کو شریعت پر منطبق کیا، اور بتایا کہ علم اور معرفت کی رقابت محض غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ آپ نے اپنی حکمت سے اس مسئلہ کو بہترین انداز میں حل فرمایا۔

شاہ صاحب نے دینی علوم کے احیاء و فروغ میں اپنی تمام تر توانائیاں صرف کیں۔ آپ نے اس مقصد کے لیے مدرسہ رحیمیہ قائم کیا۔ جس کے ذریعے آپ نے دینی علوم کے ماہرین کی ایک جماعت تیار کی۔ آپ نے اپنی تصنیفی خدمات کے ذریعے درپیش عقلی و فکری مسائل کے حل کے لیے نادر کتب تحریر کیں۔ جو اسلامی لٹریچر کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ نیز آپ نے گرہ بندی اور امت کو زوال سے نکالنے کے لیے ہر شعبہ زندگی کے لوگوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں کے درمیان باہمی انتشار اور تنازعات کو ختم کرنے کے لیے علمی اور عملی اقدامات اٹھائے۔ اور سماجی و سیاسی مسائل کے حل میں اپنا بھرپور علمی و عملی کردار ادا کیا۔

امام شاہ ولی اللہؒ کی شخصیت ہمہ جہت صفات اور خداداد صلاحیتوں کی حامل ہے۔ مجموعی طور پر آپ کی علمی و دینی خدمات کے دو پہلو بڑے نمایاں ہیں۔

1۔ پہلا دائرہ تعلیم و تدریس سے تعلق رکھتا ہے جس کے ذریعے آپ نے علماء کی ایک ایسی تربیت یافتہ جماعت تیار کی۔ جس نے ہندوستان اور اطراف ہند میں اسلامی علوم کی ترویج و اشاعت میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

2۔ دوسرا دائرہ تصنیف و تالیف کا علمی میدان ہے۔ جس میں شاہ صاحب نے اسلامی علوم و فنون کے ہر موضوع پر بے

مثال تصانیف قلمبند کی ہیں۔ یہ تصانیف آپ کا علمی شاہکار ہیں۔ جس کی نظیر اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی۔ آپ کی خدمات کے ان دونوں پہلوؤں کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ مدرسہ رحیمیہ

شاہ صاحب نے پندرہ سال کی عمر میں مروجہ تعلیم سے فراغت حاصل کرلی تھی۔ اس کے بعد آپ نے اپنے والد محترم شیخ عبدالرحیمؒ کی وفات کے بعد سترہ سال کی عمر میں ان کے جانشین کی حیثیت سے مدرسہ رحیمیہ میں مسند تدریس سنبھالی اور تقریبا بارہ سال تک تفسیر قرآن، علمِ حدیث، فقہ و اصول فقہ، دینی اور عقلی علوم نہایت محنت اور جانفشانی کے ساتھ پڑھاتے رہے۔ اس دوران اللہ تعالی نے آپ کا سینہ علم اسرارِ دین اور مقاصد شریعہ کو سمجھنے کے لئے کھول دیا تھا۔

بارہ سال تدریسی خدمات سرانجام دینے کے بعد شاہ صاحب حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوئے۔ 1143ھ کے آخر میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ اور حج ادا کرنے کے بعد مجاورات مکہ مکرمہ میں رہے، پھر زیارت مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے، وہاں ایک سال شیخ ابو طاہر محمد کردیؒ ور دیگر مشائخ حرمین سے روایتِ حدیث کا شرف حاصل کیا۔ آپ حرمین شریفین سے واپسی پر دہلی تشریف لائے اور درس و تدریس کا سلسلہ دوبارہ شروع کردیا۔

سفر حرمین کے بعد شاہ صاحب کی تدریس حدیث کی وجہ سے مدرسہ رحیمیہ نے باقاعدہ دارالحدیث کی شکل اختیار کرلی تھی۔ اس بارے میں پروفیسر غلام حسین جلبانی فرماتے ہیں:

> "شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہندوستان میں ایک مستقل دارالحدیث کی بنیاد رکھی، جس کو آگے چل کر آپ کے لائق وفائق فرزند شاہ عبدالعزیز نے کامیابی سے ہمکنار کیا۔"[1]

شاہ صاحب کے درس و تدرس کا یہ سلسلہ جاری رہا، اشاعت حدیث کے لئے قائم درس گاہ "مدرسہ رحیمیہ" اس قدر مقبول ہوئی کہ دور دراز سے طلباء علم حدیث کے فیض سے مستفید ہونے کے لئے جوق در جوق اس کی طرف آنے لگے۔ چند ہی دنوں میں طلبہ کی تعداد میں اس قدر اضافہ ہوا کہ مدرسہ رحیمہ کی جگہ کم پڑ گئی، اس وقت کے مغل بادشاہ "محمد شاہ" نے اس مدرسہ کی وسعت کے لئے شاہ جہاں آباد میں ایک حویلی دی جہاں درس و تدریس کا کام ہوتا تھا۔ یہ جگہ اپنے دور کی نہایت عالی شان اور خوبصورت حویلی تھی، جو بعد میں شاہ عبدالعزیز کے مدرسہ کے نام سے مشہور ہوئی۔[2]

---

[1] ۔ جلبانی، غلام حسین، پروفیسر، شاہ ولی اللہ کی تعلیم، لاہور، (ادارہ مطبوعات، لاہور، 1999ء) ص:89۔

[2] ۔ دہلوی، بشیر الدین، واقعات دارالحکومت دہلی (اردو اکیڈمی، دہلی، 1990ء) 2/ 584۔

2۔طریقہ تدریس

ابتداء میں شاہ صاحب کا معمول یہ تھا کہ ہر فن کی کتابیں آپ خود پڑھاتے تھے، بعد ازاں آپ نے اپنی صلاحیتوں کو تصنیف و تالیف، ارشاد معارف گوئی اور قرآن و حدیث کی تدریس پر مرکوز رکھا، اور دیگر علوم و فنون کے لیے اپنے شاگردوں میں سے ایک ایک شخص تیار کیا اور متعلقہ فن کے طلباء اس کے سپرد کر دیے۔

چنانچہ شاہ عبد العزیزؒ اپنے والد کے اس معمول اور طریقہ تدریس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"حضرت والد ماجد از ہر یک فن شخصے تیار کردہ بودند و طالب ہر فن بادے می سپردند و خود مشغول معارف گوئی و نویسی بودند و حدیث می خواندند" [3]

"حضرت والد ماجد نے ہر فن کے لیے ایک شخص تیار کیا اور متعلقہ فن کے طالب علم اس کے سپرد کر دیے، اور خود معارف گوئی، تصنیف و تالف اور درس حدیث میں مشغول ہو گئے۔"

چنانچہ پرفیسر جلبانی صاحب شاہ ولی اللہؒ کے طریقہ تدریس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آپ کے پڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ آپ طلبہ سے خود ہی نیا سبق پڑھوایا کرتے تھے اور پھر اس کے تمام پہلوؤں اور گوشوں پر نہایت جامع اور سیر حاصل بحث کیا کرتے تھے۔ فقہی مسائل کو طلبہ کے سامنے پیش کرتے وقت آپ کی تمام تر توجہ اور کوشش اس امر کی جانب مرکوز رہتی کہ بالعموم مختلف اور بالخصوص حنفی اور شافعی مسلک کے درمیان پائے جانے والے اختلاف کو حتی المقدور کم کیا جائے۔" [4]

آپ کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ آپ درس حدیث میں اختلافی مسائل کو اچھالنے کی بجائے ان پر غور و فکر کر کے ان کے درمیان تطبیق کی کوشش فرماتے۔ اس جدید اسلوب سے طلباء میں تنگ نظری کی بجائے وسعت نظری اور تحقیق و جستجو کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

قرآن فہمی کے لیے اقدامات

شاہ صاحب کی ملی خدمات میں عظیم کارنامہ عوامی سطح پر قرآن فہمی کو عام کرنا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس وقت کی رائج علمی اور دفتری زبان فارسی میں "فتح الرحمٰن" کے نام سے قرآن پاک کا ترجمہ کیا۔ ترجمہ قرآن کا یہ عظیم کام انہوں نے محض

---

[3] ۔ملفوظات عزیزی، مترجم، محمد علی لطفی، پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز لمیٹڈ، کراچی، ص:40۔

[4] ۔جلبانی، غلام حسین، پروفیسر، شاہ ولی اللہ کی تعلیم، لاہور، ص:42

علمی ذوق کی تسکین کے لیے نہیں کیا، بلکہ اس کا مقصد قرآن حکیم کی ترویج واشاعت اور عام لوگوں کو کتاب اللہ کی طرف متوجہ کرنا تھا۔ تاکہ مسلمانوں میں رائج فاسد خیالات اور غلط رسم و رواج کا ازالہ ہو سکے۔ شاہ صاحب نے فتح الرحمن کے مقدمہ میں مسلمانوں کے جن ابتر سماجی حالات اور بے مقصد روزمرہ سرگرمیوں کی نشاندہی کی ہے، اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا کوئی طبقہ ایسا نہیں تھا جس کی زندگی بگاڑ کا شکار نہ ہو۔ عام طور پر قرآن وحدیث سے غفلت اور بے توجہی پائی جاتی تھی، پڑھے لکھے لوگوں کے ہاں مجالس آرائی اور حلقہ بندیوں کا رواج عام تھا۔ لیکن ان حلقوں میں صرف قصے کہانیوں، صوفیاء کے ملفوظات، مشہور فارسی شعراء کے اشعار اور حکماء وفلاسفہ کے اقوال کا چرچا ہوتا تھا۔

چنانچہ شاہ صاحب اس ضمن میں فرماتے ہیں:

> "چناں که یاران سعادت مند مثنوی مولانا جلال الدین، گلستان شیخ سعدی و منطق الطیر شیخ فرید الدین عطار و قصص فارابی و نفحات مولانا عبد الرحمٰن و امثال آں نقل مجلس دارند، چه باشد اگر ایں ترجمه راہمہاں اسلوب درمیان آرند و حصه از مشاغل خاطر بادراک آں گمارند۔ گر آں شغل با کلام اولیآء است ایں بر شغل کلام اللہ واگر آں مواعظ حکیماں است مواعظ احکم الحاکمین است۔"[5]

"جس طرح یہ لوگ مثنوی جلال الدین اور گلستاں شیخ سعدی، یا منطق الطیر شیخ فرید الدین عطار، یا فارابی کے قصے، یا جامی کی نفحات یا اس جیسی دیگر کتابوں کی مجلس لگاتے ہیں۔ اس طرح اس ترجمہ کو بھی رواج دیں اور تھوڑی سی توجہ اس کے اوپر غور و فکر میں بھی صرف کریں۔ چونکہ اگر وہ کلام اولیاء سے شغف رکھتے ہیں۔ تو یہ کلام اللہ کا شغف ہے، وہ اگر حکیموں کے مواعظ ہیں تو یہ احکم الحاکمین کے مواعظ ہیں۔"

چونکہ اس وقت دینی مدارس میں علم صرف ونحو اور منطق وفلسفہ کو عروج حاصل تھا اور جو لوگ قرآن وحدیث کے داعی تھے ان کا موضوع بحث بھی فقہ اور فتاوٰی ہی تھے۔ عوام کو قرآن وحدیث کی تعلیم سے دور رکھا جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں شاہ صاحب مقدمہ فتح الرحمٰن میں رقمطراز ہیں:

> "اب تک قرآن کے مطالب سمجھنا صرف عربی تفاسیر پر منحصر تھا جسے علماء اپنا ہی حصہ سمجھتے تھے اور عوام کلام الٰہی کا منشاء اور فطرۃ اللہ کا مفہوم سمجھنے سے محروم اور بے نصیب تھے، بس طوطے کی طرح

[5] ۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، مقدمہ فتح الرحمٰن (فارسی) ص 2، دہلی مطبع فاروقی، س۔ن۔

قرآن مجید پڑھا جاتا تھا۔" [6]

شاہ صاحب نے ان حالات میں ضروری سمجھا کہ سرچشمہ ہدایت ہونے کی حیثیت سے قرآن کریم کے مقام و مرتبہ کو واضح کیا جائے تاکہ لوگوں کے دل و دماغ میں اس کی عظمت و مقام اور فیض یابی کی ضرورت و اہمیت نقش ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتب و رسائل میں مختلف مقامات پر قرآن مجید کے مقام و مرتبہ کی وضاحت کا خاص اہتمام فرمایا ہے، کہیں انہوں نے علم قرآن کو اعظم العلوم، اجل العلوم اور ابجل العلوم سے تعبیر کیا ہے۔ [7]

ایک اور مقام پر شاہ صاحب یہ خیال ظاہر فرماتے ہیں:

> "اللہ تعالیٰ نے انہیں جن نعمتوں سے نوازا ہے ان میں سے سب سے بڑی نعمت فہم قرآن ہے، اور یہ کہ اس کمترین امت پر نبی کریم ﷺ کے بہت سے احسانات ہیں ان میں سے عظیم احسان قرآن کی تبلیغ ہے اور وہ اس طور پر کہ آپ ﷺ نے قرآن کی تلقین قرنِ اول کو فرمائی درجہ بہ درجہ اس خاکسار کو بھی اس کی روایت و درایت سے حصہ ملا۔" [8]

شاہ صاحب اپنے عہد کے حالات اور درپیش مسائل کے تناظر میں اس بات پر خاص توجہ دی کہ لوگوں کو قرآن کے قریب لانے اور اس سے رہنمائی کے لیے ضروری ہے کہ اس کا ترجمہ مروجہ زبان میں ہی کیا جائے۔ اس لیے انہوں نے قرآن مجید سے لوگوں کا تعلق مضبوط کرنے، فہم قرآن کو عام کرنے اور براہ راست استفادہ کے لئے اپنے ترجمہ میں وہ زبان استعمال کی جو ان کے عہد میں عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی تھی۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی شاہ صاحب کے فارسی ترجمہ کے پس منظر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الغرض شاہ صاحب نے سفر حجاز سے واپسی کے پانچ سال بعد یہ فیصلہ کہ ہدایت عالم، اصلاح عقائد اور اللہ تعالیٰ سے طاقت ور رابطہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ قرآن مجید کی ہدایات کی براہ راست اشاعت و تبلیغ سے زیادہ مؤثر نہیں ہو سکتا اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے قرآن مجید کا فارسی ترجمہ و اشاعت۔" [9]

---

[6] ۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، مقدمہ فتح الرحمٰن (فارسی) ص2،

[7] ۔ شاہ ولی اللہ، التفہیمات الالٰہیہ (المجلس العلمی، دھبیل۔1936ء) 162/2۔

[8] ۔ شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (مطبع ندوۃ العلماء، لکھنو، 1984ء) ص:25۔

[9] ۔ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، تاریخ دعوت و عزیمت، کراچی، مجلس نشریات اسلام، س۔ن، ج۔5، ص۔145۔

شاہ صاحب نے جب یہ ترجمہ کیا تو آپ کو اس وقت کے علماء کی جانب سے سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

"میں ان طالب علموں سے کہتا ہوں جو اپنے آپ کو علماء کہتے ہیں کہ اللہ کے بندو!

تم یونانیوں کے علوم کے طلسم اور صرف ونحو کی دلدل میں پھنس کر رہ گئے ہو؟ تم نے سمجھ لیا ہے کہ علم اسی کا نام ہے؟ حالانکہ علم تو قرآن مجید کی آیاتِ محکمات، اور رسول اللہ ﷺ کی سنت ثابتہ کا نام ہے۔"[10]

گویا یہ ترجمہ برصغیر میں عوامی سطح پر قرآن فہمی کو عام کرنے کی پہلی کاوش تھی۔ اس کی چند خصوصیات پر شاہ صاحب نے خود مقدمہ فتح الرحمن پر روشنی ڈالی ہے۔ ترجمہ کے ساتھ ساتھ اکثر مقامات پر فوائد بھی تحریر کئے گئے ہیں جو نہایت مختصر مگر مشکل مسائل کے حل میں بے مثل ہیں۔ اس ترجمہ قرآن کا یہ فائدہ ہوا کہ عام لوگ قرآن خوانی کے مرحلہ سے نکل کر فہم قرآن سے روشناس ہوئے۔ ضعیف الاعتقادی، فاسد خیالات، غلط رسوم ورواج، فسق وفجور، اور شرک وبدعات جو مسلمانوں میں رائج ہو چکے تھے ان کا خاتمہ ہوا۔ ظلم وجہالت کی صورت حال میں کافی حد تک نہ صرف تبدیلی آئی، بلکہ قرآن فہمی کی اشاعت کا رجحان بھی عام ہوا، اور درس قرآن کی مجالس کا انعقاد ہونے لگا۔ اس رجحان کے اثرات بعد کے ادوار میں بھی محسوس کئے گئے ہیں۔ ہندوستان میں غالباً پہلی مرتبہ قرآن فہمی کی جو تحریک شاہ صاحب نے چلائی تھی۔ اس پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ موجودہ اردو زبان کے اکثر تراجم وتفاسیر میں اس کے اثرات نمایاں طور پر موجود ہیں۔

شاہ صاحب کی یہ کاوش اللہ کے نزدیک اتنی مقبول ہوئی کہ پھر دیگر زبانوں میں بھی ترجمے ہوئے اور آج دنیا کی کوئی قابل ذکر زبان ایسی نہیں ہے جس میں قرآن مجید کا ترجمہ موجود نہ ہو۔ نیز اس کا عظیم الشان فائدہ یہ ہوا کہ گھر گھر قرآن مجید کے معانی ومطالب کا چرچا ہو گیا۔ عام مرد وعورت، بوڑھے اور جوان تک اس سے آشنا ہو گئے، اور انہیں اس کا یقین کامل ہو گیا کہ قرآن صرف بے سوچے سمجھے پڑھ لینے اور پھر ایک خوبصورت غلاف میں لپیٹ کر رکھ دینے اور اس طرح اس کے ذریعہ برکت وثواب حاصل کرنے کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ قرآن اس لیے پڑھے کہ اسے سمجھ کر غور وفکر کے ساتھ پڑھا جائے اور پھر اس کو زندگی کا حقیقی راہنما بنا کر اس کے احکام ومسائل پر بھی عمل کیا جائے۔

اس بارے میں مولانا عبد الماجد دریا آبادی لکھتے ہیں:

"ہندوستان میں قرآن فہمی کا چرچا آج جو کچھ نظر آرہا ہے، اور یہ اردو، انگریزی اور دوسری زبانوں میں جو

---

[10] ۔ التفہیمات الالہیہ، 2/214۔

بیسیوں ترجمے شائع ہو چکے ہیں، ہو رہے ہیں یا آئندہ شائع ہونگے۔ان سب کے اجر کا جزو اعظم یقینا حضرت شاہ صاحب کے حسنات میں لکھا جائے گا۔یہ سارے چراغ اسی چراغ سے روشن ہوئے ہیں۔اگر اس کی ابتدا آپ اپنے ہاتھوں سے نہ کرتے تو نہ شاہ رفیع الدین کا اردو ترجمہ وجود میں آتا، نہ شاہ عبد القادر کا، اور متاخرین کا تو ذکر ہی کیا۔جو شخص امت کی بے شمار نسلوں کے لیے اتنی بڑی رحمت کا دروازہ کھول گیا، اس کے اجر بے حساب کا حساب اور فرد بے نہایت کا اندازہ ہی کون کر سکتا ہے۔"[11]

ترجمہ فتح الرحمن کے علاوہ علوم قرآن پر شاہ صاحب نے درج ذیل کتابیں قلمبند کی ہیں:

مقدمہ فتح الرحمن:

فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن یہ ترجمہ برصغیر میں عوامی سطح پر قرآن فہمی کو عام کرنے کی پہلی کاوش تھی۔اس کی چند خصوصیات پر شاہ صاحب نے خود مقدمہ فتح الرحمن میں روشنی ڈالی ہے۔ترجمہ کے ساتھ ساتھ اکثر مقامات پر فوائد بھی تحریر کئے گئے ہیں جو نہایت مختصر مگر مشکل مسائل کے حل میں بے مثل ہیں۔

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر:

یہ فارسی زبان میں اصول تفسیر پر انتہائی اہم، مختصر مگر جامع رسالہ ہے۔جس میں شاہ صاحب نے فہم قرآن میں دشواریوں کے اسباب اور ان کا حل، قرآن مجید کے علوم خمسہ، تاویل، حروف مقطعات، اصول ناسخ و منسوخ پر نہایت مفید اور بصیرت افروز گفتگو کی ہے۔یہ مختصر اور جامع کتاب بڑی بڑی مجلدات سے بے نیاز کر دیتی ہے۔اس کے کئی اردو اور عربی تراجم ہو چکے ہیں، یہ دینی مدارس اور جامعات کے تعلیمی نصاب میں پڑھائی جاتی ہے۔

فتح الخبیر بمالابد من حفظہ فی علم التفسیر:

یہ رسالہ عربی زبان میں ہے، جس میں قرآن مجید کے مشکل و غریب لغات کو آسان انداز میں حل کیا گیا ہے۔آیات قرآنی کی تمام ماثور تفاسیر جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہیں جمع کی گئی ہیں۔اس میں غریب القرآن کے ساتھ ساتھ اسباب نزول پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

[11] ۔ دریا آبادی، عبد الماجد، مولانا، الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر (مکتبہ الفرقان، بریلی، 1359ھ) ص:13۔

تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء:

یہ کتاب عربی زبان میں ہے، اس میں انبیاء کرام کے معجزات جو قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں وہ مذکور ہیں، جنہیں عام طور پر خرق عادت تصور کیا جاتا ہے، ان کی تاویلات و توجیہات اور مخفی اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ شاہ صاحب نے ان تمام معجزات کا مطابق فطرت ہونا ثابت کیا ہے۔

4۔ علم حدیث کا احیاء:

قرآن مجید کے بعد دوسری اہم اساس اور اسلامی فکر و قانون کا منبع و سرچشمہ حدیث ہے۔ مذاہب عالم میں اسلام کو جو جامعیت، وسعت، ہمہ گیریت، انسانی مسائل کے احاطہ کی صلاحیت اور زندگی کے ہر گوشہ کے لئے راہنمائی اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگی کے لیے جو مقام حاصل ہے۔ وہ دراصل حدیث ہی کے اس گرانقدر اور عظیم ذخیرہ کی بدولت ہے۔

برصغیر میں علم حدیث کا احیاء شاہ صاحب کا دوسرا بڑا کارنامہ ہے۔ علم حدیث کے سلسلہ میں آپ نے عظیم الشان خدمات سرانجام دی ہیں۔ آپ کے دور میں ہندوستان کے مدارس میں حدیث کی تدریس کا رواج بہت کم تھا۔ آپ بنیادی طور پر ایک عظیم محدث تھے، اس لیے آپ جانتے تھے کہ مسلمانوں کے لیے علم حدیث سے آگاہی کس قدر اہم ہے۔ چنانچہ 1732ء میں سفر حج سے واپسی کے بعد آپ نے خود کو علم حدیث کی تدریس واشاعت کے لئے وقف کر دیا اور باقی تمام عمر اسی میں گزار دی۔

اسی لیے شاہ صاحب نے علم حدیث کو تمام علوم کا معتمد علیہ سرمایہ، سرتاج اور دیگر دینی فنون کی اساس و بنیاد قرار دیا ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک علم حدیث کی کیا اہمیت ہے اس کا اندازہ ان الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں ذکر فرمائے ہیں:

> "آپ ﷺ کے اقوال، افعال اور کسی عمل پر خاموشی ہمارے لئے نشان راہ ہے۔ جن کی روشنی میں ہم خدا کی خوشنودی حاصل کرنا چاہیں تو منزل تک پہنچنے میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا۔ اس راہ کے راہی کے لیے راہ راست سے بھٹک جانے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ جس نے آپ کی حدیث پر عمل کیا یقیناً اس نے راہ پالی، اور جس نے منہ موڑا وہ گمراہ ہے۔ اس پر عمل کرنے میں بڑی بھلائی ہے اور عمل نہ کرنے میں سخت نقصان کا احتمال ہے۔" [12]

[12] ۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ (دار الجیل، بیروت، 2005ء) 1/21۔

علم حدیث پر آپ کی حسب ذیل اہم کتب ہیں:

المسویٰ من الموطا:

یہ مؤطا امام مالک کی عربی شرح ہے۔ اس میں شاہ صاحب نے احادیث کو اپنے مزاج کے مطابق نئی ترتیب سے مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب آپ کے اختیار کردہ طریقہ درس حدیث کا نمونہ ہے۔ شرح میں وہ اسلوب اختیار کیا ہے جو طالب علم کے لئے آسان اور دل نشین ہو۔ حدیث سے مستنبط مسائل اور امام مالک دیگر آئمہ کرام کے مناسب تعقبات نہایت لطیف اشاروں میں بیان کیے ہیں۔

المصفیٰ شرح مؤطا:

یہ مؤطا امام مالک کی فارسی شرح ہے۔ اس میں شاہ صاحب نے احادیث اور آثار کو الگ الگ کر دیا ہے۔ اقوال امام مالکؒ کو مناسب طریقہ سے بیان کیا ہے اور ساتھ دیگر فقہاء کے اقوال بھی نقل کئے ہیں، اور احادیث پر مجتہدانہ انداز میں بحث کی ہے۔

شرح تراجم ابواب صحیح بخاری:

یہ رسالہ عربی زبان میں ہے۔ جس میں آپ نے امام بخاریؒ کے قائم کردہ عنوانات ابواب کی تشریح اور توجیہ اس طرح بیان کی ہے، کہ ان کے ذیل میں دی ہوئی احادیث سے ابواب کی مناسبت صحیح طور پر سمجھ آجاتی ہے اور کوئی ابہام باقی نہیں رہتا۔

حجۃ اللہ البالغۃ:

یہ شاہ صاحب کی نہایت معرکۃ الاراء عربی تصنیف ہے۔ اس میں آپ نے تعلیمات اسلام کو فطرت اور احکام دینی کو مبنی بر عدل ثابت کیا ہے۔ ہر حکم الٰہی اور امر شریعت کے اسرار اور مصالح نہایت بلیغ اور مدلل انداز میں بیان کئے ہیں۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کو عقل اور علم جدید کے جس میزان پر پرکھنے کا رجحان بیسویں صدی میں شروع ہوا، اس پر عملی کام شاہ صاحب اپنی اس کتاب میں اٹھارہویں صدی میں کر چکے تھے جب کہ ابھی عقلیت پسندی کے رجحان کے کوئی آثار نظر نہ آتے تھے۔ اس کتاب کے پہلے حصہ کی ساتویں بحث میں، طبقات کتب حدیث، حدیث کو سمجھنے کے طریقے، مختلف احادیث میں تطبیق وغیرہ پر محققانہ بحث موجود ہے۔

الارشاد الیٰ مہمات الاسناد:

یہ رسالہ عربی میں ہے۔ جس میں شاہ صاحب نے اپنے اساتذہ اور شیوخ حجاز کا ذکر کیا ہے اور ان کی سند حدیث پر گفتگو کی

ہے۔

الاربعین:

یہ چالیس احادیث کا مجموعہ ہے۔، جسے شاہ صاحب نے عوام میں حدیث کا ذوق پیدا کرنے کے لیے مرتب فرمایا تھا۔

الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین:

عربی میں یہ رسالہ اس نوع حدیث پر لکھا گیا ہے، جو مسلسلات کے نام سے مشہور ہیں۔

5۔ فقہی اختلافات میں تطبیق

فقہ کے میدان میں بھی شاہ صاحب کی علمی اور دینی خدمات قابل قدر اور بے مثال ہے۔ شاہ صاحب خاندانی طور پر فقہ حنفی سے وابستہ تھے۔ اور ان کی تعلیم و تربیت بھی اسی حنفی ماحول میں ہوئی۔ فتاوٰی عالمگیر کی تدوین میں ان کے والد گرامی شاہ عبدالرحیمؒ بھی فقہاء کی مجلس میں کچھ عرصہ تک شامل رہے تھے۔ والد صاحب کی وفات کے بعد، دوران تدریس اور قیام حجاز کے ایام میں انہیں حنفی مسلک کے علاوہ دوسرے مسالک کو بھی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، جس سے ان کی نظر میں وسعت پیدا ہوئی۔ اگرچہ شاہ صاحب خود حنفی فقہ کے پیروکار تھے مگر ان کی نظر میں دوسرے مکاتب فقہ یکساں اہمیت کے حامل تھے۔

ہندوستان ابتداء ہی سے فقہ حنفی کا مرکز رہا ہے، فقہ حنفی کو مسلم حکومت کی سرپرستی بھی حاصل رہی ہے۔ کیونکہ ہندوستان کے سلاطین کا سرکاری مذہب حنفی تھا۔ وہ جید علماء فقہ کی مجالس میں پیش آمدہ مسائل پر تبادلہ خیال کیا کرتے تھے۔ مثلا بیت المال کے معاملات، بدعنوان حاکموں کی سزاؤں کے قوانین، بیت المال میں سلطان کے حصے اور اسلامی حکومت میں ہندوستان کی قانونی حیثیت کے بارے میں بحث وغیرہ ہوتی تھی۔ میدان فقہ میں سب سے گراں قدر خدمت "فتاوٰی عالمگیری" کی تالیف بھی اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں انجام دی گئی۔ تاہم فقہ حنفی کے علاوہ دیگر مذاہب فقہ کے لوگ بھی موجود تھے۔[13]

شاہ صاحب کے دور میں فقہی رجحانات کے حوالے سے جمود، تعصب اور تنگ نظری غالب تھی۔ ایک فقہی مسلک کے ماننے والے دوسرے فقہ کے پیروکاروں کو برداشت کرنے کے لئے بالکل تیار نہ تھے۔ دینی مدارس میں بھی یہ عنصر اس قدر غالب تھا۔ کہ گویا شریعت کے بنیادی ماخذ قرآن و سنت کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ گئی تھی۔

اس حوالے سے مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں:

---

[13] ۔ دہلوی، ذکاء اللہ، تاریخ ہندوستان (سنگ میل پبلیکیشنز۔ لاہور)2/54۔

"شاہ صاحب کے دور میں جو جمود، تعصب، تنگ نظری اور غالی تصورات پیدا ہو گئے تھے، ان کی بناء پر دیگر مذاہب کے مطالعہ و تحقیق بلکہ احترام کی روایت بھی اٹھتی جا رہی تھی۔ شاہ صاحب نے محسوس کیا کہ اس جمود اور تنگ نظری کا سبب مطالعہ و تحقیق اور وسعت نظری کی کمی ہے۔ اگر اہل علم تمام مذاہب فقہ کا منصفانہ مطالعہ کریں اور ان کے بنیادی ماخذ تک پہنچنے کی کوشش کریں تو مذاہب کے درمیان اس درجہ تفریق و امتیاز کا جو احساس پایا جاتا ہے، اس میں کمی آجائے گی اور اسلاف باہم فکری و نظری اختلافات کے باوجود جس رواداری اور احترام کا مظاہرہ فرماتے تھے، وہ دوبارہ قائم ہو سکتی ہے۔"[14]

شاہ صاحب کے دور میں ایک طبقہ تو ایسا تھا، جو تقلید جامد پر مصر تھا۔ اور اجتہاد سے گریزاں تھا اور اسے ناجائز قرار دیتا تھا۔ اورانہوں نے فقہی جزئیات کو نصوص کتاب و سنت کا درجہ دے رکھا تھا۔ اس کے برعکس دوسرا طبقہ تھا، جو تقلید کو ممنوع قرار دے رہا تھا۔ شاہ صاحب نے اجتہاد و تقلید کے اس باب میں اعتدال کی راہ دکھائی، اور ان کے دائرہ کار اور حدود متعین کیں، اور اس حقیقت کو واضح کیا کہ اجتہاد ممنوع نہیں بلکہ اس کا سلسلہ تو قیامت تک جاری رہے گا۔ نیز ہر دور میں ایسے باصلاحیت افراد پیدا ہوں گے، جو اجتہاد کے اس عمل کو جاری رکھیں گے۔ لیکن اجتہاد ہر کس و ناکس کے بس کا کام نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لیے کچھ ضروری شرائط ہوتی ہیں۔ اس طرح آپ نے تقلید کو انسان کی فطری ضرورت قرار دیا۔ کہ جن لوگوں میں اجتہاد کی مطلوبہ صلاحیت موجود نہیں، ان کے لئے تقلید کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ آپ نے علماء کے لیے یہ ضروری قرار دیا کہ وہ جزئیات و مسائل کا صرف مطالعہ کرنے کی بجائے کتاب و سنت کے ساتھ ان کا ربط و تعلق قائم کریں۔

شاہ صاحب کے نزدیک چاروں فقہی مسالک برابر حیثیت کے حامل ہیں، اور ہر ایک فقہ کی اپنی خصوصیت ہے۔ ان کے اختلافات دلائل پر مبنی ہیں۔ اور بیشتر اختلافات محض اولیٰ اور راجح کے تعیین کے ہیں۔ شاہ صاحب نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ اختلافی مسائل میں ان علماء محدثین کی پیروی کریں جو فقہ و حدیث کے جامع ہوں۔

اس موضوع پر شاہ صاحب نے درج ذیل رسالے مرتب فرمائے ہیں:

عقد الجید فی بیان احکام الاجتہاد والتقلید:

اس عربی رسالہ میں آپ نے اجتہاد اور تقلید کے مسئلہ پر نہایت محققانہ اور متوازن انداز میں بحث کی ہے۔ اور اجتہاد و

[14] ۔ قاسمی، اختر امام عادل، شاہ ولی اللہ اپنے فقہی نظریات و خدمات کے آئینے میں (جامعہ ربانی، منوروا، (بہار) 2004ء) ص:27۔

تقلید کے بارے اپنا نقطہ نظر نہایت علمی انداز میں دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔

الانصاف فی بیان سبب الاختلاف:

اس رسالہ میں آپ نے احکام شرعیہ کے متعلق صحابہ کرامؓ، تابعین، آئمہ مجتہدین کے باہمی اختلافات کے اسباب اور اس کی تاریخ بیان کی ہے، اور ہر طبقہ کی افراط و تفریط واضح کی ہے۔

رسالہ در مذہب فاروق اعظم:

یہ رسالہ حضرت عمر فاروقؓ کے اجتہادات اور فتاویٰ پر مشتمل ہے۔اس رسالہ میں انہوں نے کتاب الخراج قاضی ابو یوسف، کتاب الام امام شافعی، سنن دارمی، صحیحین، سنن و جوامع صحاح ستہ سے اجتہادات حضرت عمرؓ جمع کئے ہیں۔

6۔رسمی تصوف کی اصلاح

تصوف کا تعلق باطنی کیفیات سے ہے۔ تصوف کا بنیادی مقصد تزکیہ نفس، اخلاق کی درستگی اور تصحیح نیت اور باطن میں موجود اخلاقِ رذیلہ کا خاتمہ ہے۔ تاکہ انسانی قلب ہر طرح کی نجاستوں سے پاک ہو کر تعلق مع اللہ میں کمال پیدا کر کے ابدی سعادت حاصل کر سکے۔

شاہ صاحب کے دور میں جاہل صوفیا نے کرامات و شعبدہ بازی کو تصوف کا مقصد اور معراج قرار دیا ہوا تھا۔ آپ نے اپنی کتاب "التفہیمات الٰہیہ" میں نام نہاد صوفیاء اور مشائخ کی کوتاہیوں اور غلط روش پر تنبیہ کی ہے۔

چنانچہ شاہ صاحب "التفہیمات الالٰہیہ" میں پیرزادوں سے مخاطب ہوتے ہیں:

"اے وہ لوگو! جو اپنے آباء کے رسوم کو بغیر کسی حق کے پکڑے ہوئے ہو، میرا آپ سے سوال ہے کہ آپ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ٹکڑوں، ٹولیوں میں بٹ گئے ہو، ہر ایک اپنے اپنے راگ اپنی منڈلی میں الاپ رہا ہے۔ جس طریقے کو اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ ﷺ کے ذریعے نازل فرمایا تھا اور اپنے لطف و کرم سے جس راہ کی طرف راہنمائی فرمائی تھی، اسے چھوڑ کر ہر ایک مستقل پیشواء بن گیا ہے، اور لوگوں کو اپنی طرف بلا رہا ہے۔ اپنے آپ کو راہ یافتہ اور راہنما سمجھتے ہو، حالانکہ خود گم کردہ اور بھٹکانے والے ہو۔ ہم ایسے لوگوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے جو لوگوں کو صرف اس لئے مرید کرتے ہیں تاکہ ان سے ٹکے وصول کریں۔ ایک نیک علم سیکھ کر دنیا بٹورتے ہو، کیونکہ جب تک دیندار لوگوں کی شکل و شباہت اور طرز و انداز نہ اپنائیں دنیا حاصل نہیں ہو سکتی۔ نہ میں ان لوگوں سے راضی ہوں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بجائے خود اپنی طرف بلاتے ہیں۔ اور اپنی مرضی کی پابندی کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں۔ یہ لوگ بٹ مار اور راہزن ہیں۔ ان کا شمار دجالوں، کذابوں قاتلوں اور ان لوگوں

میں ہے جو فتنہ اور آزمائش کے شکار ہیں۔"[15]

شاہ صاحب نے تصوف کے میدان پائے جانے والے غلط نظریات اور افراط و تفریط میں درستگی اور اصلاح کی کوشش بھی فرمائی ہے۔شاہ صاحب طریقت کو شریعت کے تابع سمجھتے ہیں۔احکام الٰہی کی بجا آوری کے نتیجے میں باطنی کیفیات و نتائج کو "احسان" کا نام دیتے ہیں۔شاہ صاحب کے دور میں علماء اور صوفیاء میں جو بُعد اور دوری تھی۔ آپ نے اس کے خاتمے اور طریقت و شریعت میں ہم آہنگی کی تعلیم دی۔ آپ نے تصوف کے نام پر جاہلانہ اور خلاف سنت سرگرمیوں سے اجتناب نیز افراط و تفریط سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ آپ کے نزدیک تصوف اور روحانی فکر کی اساس قرآن و سنت پر استوار ہے۔

شاہ صاحب نے خرافات و اوہام، غلط نظریات اور افراط و تفریط سے آلودہ مروجہ تصوف کی جتنی شدت کے ساتھ نفی اور تنقید کی۔ اتنی ہی شدت کے ساتھ صالح اور اسلامی تصوف سے تعلق پر زور بھی دیتے ہیں۔شاہ صاحب تصوف کو انسان کی اخلاقی اور روحانی ترقی کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں۔چنانچہ شاہ صاحب اپنی کتاب "الطاف القدس" میں چار اخلاقی اصولوں کو تصوف کا مدار قرار دیتے ہیں:

1۔پہلا اصول طہارت کا ہے، جس کی روح یہ ہے کہ باطن منور اور پاکیزہ ہو، اور انشراح و اطمینان کی دولت سے مالا مال ہو۔افکار پریشاں، جزع فزع اور فریاد وماتم سے دور و مبرا ہوں۔

2۔دوسرا اصول تواضع کا ہے جو جبروت سے آشنائی پیدا کرتا ہے۔عبادات، اذکار اور تلاوت کے ذریعے قلب میں سوز و گداز، فروتنی اور خاکساری کا محرک بنتا ہے۔اس سے انسان کے اندر خشوع و خضوع کا وصف پیدا ہوتا ہے۔

3۔تیسرا اصول سخاوت کا ہے جس کے دائرہ میں زہد و قناعت، جود و سخا، تواضع و انکساری، صبر و شکر، و نرمی کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔

4۔چوتھا اصول عدالت ہے، جس میں عدل اجتماعی، تدبیر منزل اور اصلاحی امور شامل ہیں۔[16]

شاہ صاحب نے تصوف کے موضوع پر درج ذیل قابل قدر تصانیف تحریر کی ہیں:

الطاف القدس:

یہ کتاب تصوف و احسان کے اسرار و رموز، لطائف نفس، اور روحانی حقائق و معارف پر مشتمل ہے۔اس کتاب کا مرکزی

---

15 ۔التفہیمات الالٰہیہ، 2/214۔

16 ۔دہلوی، شاہ ولی اللہ، الطاف القدس، مترجم سید محمد فاروق القادری (المعارف گنج بخش روڈ، لاہور، 1975ء) ص:38۔

موضوع "لطائف نفس" ہے۔اس کتاب کا شمار تصوف کی اہم کتابوں میں ہوتا ہے۔

ہمعات:

یہ فارسی زبان میں تاریخ تصوف، فلسفہ تصوف اور اصطلاحات تصوف پر ایک شاہکار تصنیف ہے۔جس میں تصوف کے چار ادوار اور ان میں رونما ہونے والے تغیرات وحالات کا جامع ذکر ہے۔نیز اس میں طبقات صوفیاء،ان کے مراتب اور نسبتوں کو بیان کیا گیا ہے۔

لمعات:

یہ فارسی زبان میں سات لمعات پر مشتمل تصوف کی اہم ترین کتاب ہے۔اس میں بھی تصوف وعلم الکلام کے اہم مسائل مثلا ابداع، خلق، تدبیر، وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود، عالم مثال، شخص اکبر وغیرہ بیان کئے گئے ہیں۔

سطعات:

یہ فارسی زبان میں چھیالیس سطعات پر مشتمل تصوف کی جامع کتاب ہے۔ہر سطعہ میں تصوف کے اہم اور دقیق معارف و حقائق پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔اس کتاب میں تجلیات الٰہیہ کے اہم مباحث اور تصوف کی بنیادی اصطلاحات مثلاً وحدۃ الوجود، انسان کامل، ذات بحت، شخص اکبر وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے۔

التفہیمات الالٰہیہ:

یہ کتاب تصوف اور سلوک کے مقالات پر مشتمل ہے۔مقالات عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں ہیں، یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔تصوف اور سلوک کی باتوں کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب نے اپنے دور کی خرابیوں، عیوب و نقائص کی نشاندہی کے ساتھ معاشرے کے ہر طبقے کو اصلاح کی تاکید کی ہے۔

الخیر الکثیر:

یہ کتاب عربی زبان میں ہے، اس کا موضوع دینی فلسفہ و حکمت ہے۔خزائن حکمت سے بھرپور اور اپنے موضوع پر بے نظیر کتاب ہے۔ولایت کی حقیقت اور اس کے اقسام، اہل صفا کے مسالک وطرق، ذات اسماء الٰہی کی حقیقت اور مسئلہ وحدت الوجود پر عارفانہ اور فلسفیانہ بحث کی گئی ہے۔

7۔ علم اسرار دین اور جدید شبہات کا ازالہ

عقائد اور اس سے متعلق مباحث اور دلائل کو جاننے کا نام علم الکلام ہے۔اس میں وجود باری تعالیٰ، صفات الٰہیہ، انبیاء

کرام کی بعثت، معجزہ اور کرامت وغیرہ کے امور سے متعلق عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں بحث کی جاتی ہے۔اس علم کی بدولت عقائد پختہ ہوتے ہیں،اور اسلامی عقائد کی عظمت اور انہیں غیر اسلامی اور کفریہ عقائد سے ممتاز کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔یہ علم عقل کی روشنی میں اسلام کے بنیادی عقائد مثلا توحید،رسالت،عدل، نبوت، قیامت وغیرہ کی وضاحت اثبات اور ان عقائد پر ہونے والے اعتراضات اور شبہات کا جواب دیتا ہے۔

شاہ صاحب کے عہد میں علماء نے منطق و فلسفہ کی لایعنی بحثوں کو علمیت کا معیار قرار دیا ہوا تھا،ہندوستان کے مدارس میں منطق و فلسفہ کا بڑا زور اور چرچا تھا۔ گویا اس فن کے بغیر کوئی شخص عالم اور دانشور نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر یہ منطق و فلسفہ، عقلی موشگافی، لفظی بازی گری اور لاحاصل بحثوں کے سوا کچھ اہم نہ تھا،اور اسلامی فلسفہ محض ایک قصہ پارینہ بن چکا تھا۔ آپ نے اپنے دور کی عام روش سے ہٹ کر ایک نئے انداز سے فلسفیانہ بحثوں کا رخ اسلامی عقائد و عبادات، اخلاق و معاشرت، سیاست و معیشت کی حکمت اور اسرار و رموز کے انکشاف کی طرف موڑا اور دین کی کلیات سے لے کر جزئیات تک کو عقلی انداز میں پیش کیا۔ شاہ صاحب شہرہ آفاق کتاب "حجۃ اللہ البالغہ "اول تا آخر شریعت کے مبادی اور اسلامی احکام کی حکمتوں اور مصالح سے بھر پور کتاب ہے۔

شیخ محمد اکرام نے شاہ صاحب کو جدید علم الکلام کا موجد قرار دیا ہے۔ کہ انہوں نے ہندوستان میں ایک جدید علم الکلام کی ابتداء کی ہے اور آنے والے لوگوں کے لیے غور و فکر کا ایک بہت بڑا امیدان پیش کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب "رود کوثر "میں لکھتے ہیں:

> ”واقعہ یہ ہے کہ ایک لحاظ سے آپ اسلامی ہندوستان کے سب سے پہلے متکلم ہیں۔عباسیہ دور میں علم الکلام اس لیے وجود میں آیا تھا کہ اسلامی خیالات کو یونانی فلسفہ کے مطابق ثابت کرے۔ دور جدید میں سر سید اور ان کے رفقاء کی کوشش تھی کہ وہ اسلامی مذہب و فلسفہ کو جدید سائنس اور نیچر سے ہم آہنگ قرار دیں۔ شاہ ساحب اس قسم کے متکلمین میں سے نہیں۔ لیکن اسلامی تعلیمات کو انسانی دنیا کے بنیادی واقعات اور اصولوں سے ہم آہنگ ثابت کرنے کی کوشش ضرور ان کی تصانیف میں ہے۔ ان کی مشہور تصنیف "حجۃ اللہ البالغۃ" میں یہ کوشش خاص طور پر نمایاں ہے۔ اس میں انہوں نے اسلامی احکام کی مصلحتیں بیان کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ احکام فلاح انسانی کے لیے بے حد مفید ہیں۔ اور ان کی غرض و غایت ہی انسانی فلاح و تہذیب ہے۔ شاہ صاحب نے اس کتاب اور دوسری تصانیف میں ایسی باتیں کہی

ہیں جن سے متکلمین کی ترجمانی ہوتی ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ کے دیباچہ میں شاہ صاحب کا یہ مشہور فقرہ " مصطفوی شریعت کے لئے وقت آگیاہے کہ برہان اور دلیل کے پیراہنوں میں ملبوس کر کے اسے میدان میں لایاجائے "ایک نئے علم کلام کا پیغام نہیں تو اور کیاہے۔؟ [17]

اسی حوالے سے علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں کہ ترغیبات و ترہیبات کے متعلق جو کچھ شریعت میں وارد ہے وہ ہنسنے کے قابل باتیں ہیں۔ غرض منکرین اس قسم کے بہت سے اعتراضات کرتے ہیں، ان کے جواب کے لئے ضروری ہے کہ یہ ثابت کیا جائے۔ کہ شریعت کی تمام باتیں عقل کے موافق ہیں۔ "حجۃ اللہ البالغہ " جس میں انہوں نے شریعت کے حقائق اور اسرار بیان کیے ہیں۔ درحقیقت علم الکلام کی روح رواں ہے۔ علم الکلام درحقیقت اس کا نام ہے کہ مذہب اسلام کی نسبت یہ ثابت کیا جائے کہ وہ مُنزل من اللہ ہے۔ مذہب دو چیزوں سے مرکب ہے عقائد اور احکام، شاہ صاحب کے زمانے تک جس قدر تصانیف لکھی جاچکی تھیں وہ صرف پہلے حصہ کے متعلق تھیں، دوسرے حصہ کو کسی نے مَس نہیں کیا تھا۔ شاہ صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس موضوع پر کتاب لکھی۔

خود دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "جس طرح آنحضرت ﷺ کو قرآن مجید کا معجزہ عطاہوا تھا۔ جس کا جواب عجم و عرب سے نہ ہوسکا، اسی طرح آپ کو جو شریعت عطاہوئی تھی وہ بھی معجزہ تھی۔ کیونکہ ایسی شریعت کا وضع کرنا جو ہر لحاظ سے کامل ہو، طاقت انسانی سے باہر ہے۔ اس لیے جس طرح قرآن مجید کے معجزہ ہونے پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ ضروری ہے کہ اس معجزہ کے متعلق بھی مستقل تصنیف لکھی جائے " پھر لکھتے ہیں کہ "اہل بدعت نے اکثر اسلامی مسائل کے متعلق یہ اعتراض کیاہے کہ وہ عقل کے خلاف ہیں۔ مثلاوہ کہتے ہیں کہ عذاب قبر، حساب، پل صراط، میزان کو عقل سے کیا تعلق ہے؟ رمضان کے اخیر دن کا روزہ واجب ہو اور شوال کی پہلی تاریخ کا حرام؟ اس کے کیا معنی؟ علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں: ”شاہ صاحب نے یہ دو غرضیں جو بیان کی ہیں، علم الکلام کے اہم المقاصد ہیں اور اس لحاظ سے ہم ان کی کتاب کو دراصل علم الکلام کی کتاب قرار دیتے ہیں۔“ [18]

شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ کے علاوہ اپنی ایک اور عربی تصنیف " البدور البازغہ "میں بھی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، امور الٰہیات اور انسان کی جبلی اور اجتماعی زندگی سے متعلق فلسفیانہ رنگ میں بحث کی ہے۔ اسی طرح "الخیر الکثیر "میں بھی علم الکلام کے مختلف مضامین توحید، رسالت، قرآن احوال و مراتب، شریعت کے نشوونما اور ارتقا سے بحث کی گئی ہے۔

---

[17] ۔ محمد اکرام، شیخ، رود کوثر (ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 2005ء) ص:583۔

[18] ۔ شبلی نعمانی، علامہ، علم الکلام (مطبع معارف اعظم گڑھ، 1341ھ) 1/112۔

خلاصۃ البحث

برصغیر کے مسلمانوں کو زبوں حالی سے نکالنے اور اصلاح امت کے لیے شاہ صاحب نے بھرپور علمی و عملی کاوشیں کیں۔ جس طرح امام غزالیؒ نے اپنے دور کے فکری و عقلی مسائل شریعت کے اسرار و مقاصد مد نظر رکھتے ہوئے حل کیے۔ اسی طرح برصغیر پاک و ہند میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے شریعت کے حکیمانہ پہلوں پر روشنی ڈالی۔ اور دور زوال میں رسمی تصوف کی اصلاح کی اور مسلمانوں میں باہمی انتشار و نزاع کے خاتمہ کے لیے علمی و عملی اقدامات کیے۔ انہوں نے قرآن فہمی کے لیے سب سے پہلے برصغیر میں قرآن حکیم کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ اور برصغیر میں علم حدیث کے فروغ کی داغ بیل ڈالی۔

اس مقصد کے لیے آپ نے مدرسہ رحیمیہ دہلی میں درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور تربیت یافتہ جماعت کے ذریعے مسلمانان ہند کی راہنمائی کی۔ آپ نے تجدید دین کے لیے اسلام کے اساسی اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے عصری تقاضوں کے تناظر میں ایک نظام فکر متعارف کرایا۔ آپ نے مسلمانوں کے انحطاط کا بنیادی سبب قرآنی تعلیمات سے غفلت اور بے اعتنائی کو قرار دیا۔ اور مسلمانوں میں قرآن فہمی کے لیے قرآن حکیم کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ اصول تفسیر الفوزالکبیر، فتح الخبیر، تفسیر فتح الرحمٰن، تاویل الاحادیث، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء اور حجۃ اللہ البالغہ، آپ کی قرآن فہمی اور جلالت علمی کا شاہکار ہیں۔ آپ نے ایک طرف فقہ حنفی و فقہ شافعی میں تطبیق پیدا کی تو دوسری جانب حدیث وفقہ میں تطبیق دی۔ الغرض شاہ صاحب نے برصغیر میں دینی علوم کے احیاء و فروغ میں اپنی تمام تر توانائیاں صرف کیں۔ اور اصلاح احوال کے لیے آپ نے ہر شعبہ زندگی کے لوگوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔